نگاہ اولین

ایک عالم باعمل وخطیب بے بدلؒ کا انتقال پُر ملال

عبدالرشید صدیقی

جمعیت اہل حدیث بلتستان کئی سالوں سے مسلسل مصائب وآلام کے گرداب میں مبتلا چلی آرہی ہے۔اس مختصر جماعت کی کئی قدآور شخصیات کا یکے بعد دیگرے سانحہ ارتحال بڑا دلخراش منظر پیش کررہا ہے۔

علمائے حق کا بزم جہاں سے اتنی تیزی سے پے در پے رخصت ہونا علامات قیامت میں سے ہے۔قحط الرجال کے اس دور میں جمعیت اہل حدیث بلتستان اپنے جن اکابرین کے سایہ عاطفت اور فیضان علم سے محروم ہوئی ہے، وہ مرجع خلائق اور نابغہ روزگار شخصیات تھیں۔ان میں شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید ندوی، مولانا عبدالرشید انصاری اور جمعیت اہل حدیث کی ورکنگ کمیٹی کے رئیس استاذ الاساتذہ عبدالوہاب حنیف وغیرہ ہیں۔ رحمهم الله رحمة واسعة واسكنهم فسيح جناته

ابھی حال ہی میں جمعیت اہل حدیث کے نائب ناظم اعلیٰ ،شئون الدعوۃ والارشاد کے مدیر اور نائب مفتی، استاذ الاساتذہ، خطیب وواعظ شیریں بیان **الشیخ محمد حسن اثری** رحمۃ اللہ علیہ بھی داغ مفارقت دے گئے۔جماعت اس متاع عزیز کے چھن جانے سے جس عظیم صدمے سے دوچار ہے، اس کا اندازہ جماعت کے وہ بہی خواہ کرسکتے ہیں، جن کو جماعت کی مشکلات کا شعور وادراک ہو۔آج مسند تدریس وافتاء اداس ہے، ان کے سحر آفرین خطابات کی یاد میں منبر ومحراب گریہ کناں ہے۔نصف صدی پر مشتمل دینی، علمی ودعوتی خدمات سرانجام دے کر مختصر علالت کے بعد اجل نے مہلت ہی نہ دی۔یوں بار زندگی سے آناً فاناً سبک دوش ہوگئے۔تمام افکار وآلام سے پلک جھپکتے میں چھٹکارا مل گیا اور 73 سال کی عمر عزیز پاکر 5 اگست 2003ء کو خالق حقیقی سے جاملے۔اس طرح عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ گیا۔﴿انا لله وانا اليه راجعون﴾

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

علماء کی موت علوم ومعارف کی موت ہے۔''أتدرون ما ذهاب العلم؟ قلنا: لا، قال: ذهاب العلماء'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''کیا تم لوگ جانتے ہو کہ علم کا اٹھ جانا کیا ہے؟ شاگردوں نے کہا ہم نہیں جانتے۔تو فرمانے لگے ''علماء کی موت ہی علم کی موت ہے''۔

آپ موضع غواڑی کے مقابل دریائے شیوک کے پار (کورو) گاؤں میں محلہ غرٹھی گون کے ایک دیندار گھرانے

میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبداللہ تھا، جو بڑا علم دوست اور علماء کا خادم تھا۔ ویسے بھی اس محلے کے باسی بہت دیندار اور حمیت وغیرت کے علمبردار ہیں اور انہیں ایثار وقربانی کے یہ اوصاف آباء واجداد سے ورثے میں ملے ہیں۔ کوئی ایسا گھر نہیں جس میں کوئی عالم یا متعلم نہ پایا جاتا ہو۔ اور اس وقت بھی اکثر علماء جماعت کے کسی نہ کسی شعبے سے منسلک ہیں اور میدان دعوت وتدریس اور انتظامیہ میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ جماعت کے ممتاز عالم دین' زبدۃ السلف اور جمعیت کے ناظم مالیات شیخ الحدیث ثناء اللہ سالک کا تعلق بھی اسی قصبہ سے ہے۔ سابقہ ادوار میں بھی سفر وحضر میں موحدین پر ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف سینہ سپر ہونے والے اور اس راہ وفا میں ہر قسم کے آلام ومصائب جھیل کر جفا کے جواب میں دعا دینے والے گمنام مجاہدین بھی اسی بستی کے فرزند تھے۔

بہر حال آپ کو والد محترم نے بچپن میں اس وقت کے ''دارالعلوم غواڑی'' میں داخل کرایا، یہ اس سنہرے دور کا واقعہ ہے جس میں ادارے کا انتظام وانصرام علامہ حافظ کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے بابرکت ہاتھ میں تھا۔ آپ ازراہ فخر فرمایا کرتے تھے کہ انہیں اس ادارے میں شروع سے آخر تک بڑے بڑے صاحب عزیمت بزرگوں کی صحبت اور فیوض وبرکات سے فیضیاب ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اور اللہ پاک نے تنگی وترشی کے ایام میں ثابت قدمی سے اکتساب علم کی توفیق بخشی ہے۔ اس طرح نمناک آنکھوں سے اظہار تشکر فرمایا کرتے تھے۔ آپ اثنائے تعلیم سال دوسال کے لئے کراچی تشریف لے گئے اور مدرسہ بحر العلوم السعودیۃ میں داخلہ لیا تھا، مگر وہاں کا ماحول اور آب وہوا راس نہیں آئی، اس لئے وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی اور دوبارہ دارالعلوم میں سلسلہ درس سے منسلک ہوگئے۔ اس طرح آپ کو دارالعلوم ہی میں اول سے آخر تک پڑھ کر فارغ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ فراغت پانے سے پہلے بھی منتظمین کے معاون تھے، بعد میں آپ بطور مدرس اور آج کل کی اصطلاح میں مشرف الطلاب اور لائبریرین وغیرہ کی ذمہ داریاں نباہتے رہے۔

راقم نے پہلی دفعہ 1964ء میں حصول تعلیم کی خاطر چار دن کی پیدل مسافت طے کر کے اس وقت کے دارالعلوم غواڑی میں داخلہ لیا۔ اس وقت دارالعلوم تین کمروں، ایک ہال نما لائبریری اور برآمدے پر مشتمل تھا۔ عبقری زمان مولانا عبدالقادرؒ مسند شیخ الحدیث پر فائز تھے۔ براقی داڑھی اور نورانی چہرے والے بزرگ الحاج خلیل الرحمٰنؒ ناظم دارالعلوم تھے۔ مولانا عبدالرحیمؒ اور مولانا محمد یونسؒ وغیرہ جو دہلی، فتح پور وغیرہ کے فارغ تھے، تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔

ایسے میں ایک نوجوان مولانا صاحب کو مدرسے میں بڑا متحرک اور چاق وچوبند دیکھا۔ چھریرا بدن، چھوٹا سا قد، سانولی رنگ، چمکدار آنکھیں، نوکیلی ناک، شرعی بال، کالی درمیانہ داڑھی، بڑا اور گول سر، اسی مناسبت سے کشکول نما

قراقلی ٹوپی پہنے ہوئے۔ بات چیت کے دوران ہلکی سی مسکراہٹ ضرور ہوتی اور عام لوگوں کی نسبت صاف ستھرے کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہوتے۔ کہا گیا کہ یہ مولانا محمد حسن اثری ہے، دارالعلوم میں طلباء کا نگران اور استاد۔ گویا داخلی طور پر یہی مدرسے کا کرتا دھرتا تھا۔ کبھی ہاتھ میں ڈنڈا بھی دیکھا جاتا۔ گرجدار آواز میں تأدیبی کارروائیاں کرتے دیکھتا تو دل دہل جاتا کہ: یااللہ اس مولانا کے ہاتھوں کتنی بار پٹائی ہوگی اور کیا حشر ہوگا !

بہر حال اجنبیت کی وجہ سے جو خدشات دل میں جنم میں لے رہے تھے' واسطہ پڑنے کے بعد اصلیت آشکارا ہوئی، بڑے ہمدرد اور مخلص مربی تھے، ترغیب وترہیب کے اصول کے پابند تھے۔ چھوٹوں کو بڑا بنانے اور انگلی پکڑ کر اوپر اٹھانے کا گر آتا تھا، جو بڑے لوگوں کی نشانی ہے۔ متواضع ایسا کہ (من تواضع لله رفعه الله) کا نمونہ تھا۔

آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا وہ بڑے پائے کے عالم وفاضل اور متقی وبابرکت لوگ تھے، مجسم علم وعمل تھے، انتہائی قانع اور غنی النفس تھے۔ اور انہی خوبیوں کی جھلک ان کے شاگردوں میں بھی نمایاں تھی۔

مولانا عبدالمنان کریسی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیضیاب ہونے کا فخر کرتے تھے۔ مولانا موصوف مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے فیض یافتگان میں سے تھے، اور فن مناظرہ وتقاریر سے خوب واقف تھے۔ اپنی اس فطری صلاحیت کو بروئے کار لاکر اس دور افتادہ علاقے میں انتہائی اقلیت ہونے کی وجہ سے مسائل ومشاکل کے پرآشوب دور میں بھی جس جرأت مندانہ انداز میں توحید وسنت اور صحابہ کرام ﷺ خصوصاً خلفاء راشدین اور امہات المؤمنین کی عزت وناموس کا دفاع کیا۔ اور اس حق گوئی وبیباکی کی سزا مختلف انداز میں بھگتنے کے باوجود صبر واستقامت کا پہاڑ بنا رہا، وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔

ہمارے ممدوحؒ میں بھی ان کے طریقہ استدلال، اسلوب بیان ودیگر خوبیوں کے آثار نمایاں تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا کہ آپ یہیں پڑھ کر فارغ ہوئے۔ آپ جہاں امام المنقولات مولانا حافظ کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے خوشہ چین تھے۔ وہاں معقولات کے بحر ذخار مولانا مفتی عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے۔ اول الذکر نے 1958 میں انتقال فرمایا، اور ثانی الذکر بزرگ ان کے انتقال کے بعد سے بطور صدر نشین علم وحکمت اور قضا وافتاء کی موتیاں بکھیرتے رہے، اور 1983 میں اس جہان فانی کو خیر باد کہا۔ بہر حال مولانا موصوف اور ان جیسے دیگر علماء ان حسین امتزاجات کی پیداوار تھے۔ آپ جہاں ایک مدرس اور داخلی طور پر ایک منتظم تھے، وہاں نائب مفتی کی حیثیت سے ایک خاص مقام رکھتے تھے، مفتی کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے ہی فتویٰ نویسی کا کام وغیرہ آپ سے لیا جاتا تھا۔ مفتی اعظم شیخ الحدیث مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اس کام میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ بیانات درج کرنے، فیصلہ جات لکھنے اور پیش آمدہ

تنازعات کے سلجھانے میں آپ کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا اور یہ سلسلہ حیات مستعار کے آخری دم تک چلتا رہا۔

تقسیم ہند سے قبل کی مذہبی وسیاسی تنظیم ''انجمن اسلامیہ بلتستان'' کے آپ برسہابرس سیکریٹری رہے۔جس کے زیرانتظام ہرگاؤں اور قصبے میں باری باری ہرسال دوروزہ یا سہ روزہ تبلیغی جلسہ ہوا کرتا تھا۔اور آپ بطور سٹیج سیکریٹری جلسے کو خوب سنبھالتے تھے۔جمعیت اہل حدیث بلتستان کی تنظیم نو کے بعد آپ شعبہ دعوت وتبلیغ کے ناظم مقرر ہوئے اور اس منصب کو آخر دم تک خوب سے خوب تر انداز میں نباہتے رہے۔

آپ کو جمعیت نے اپنے حالیہ پنج سالہ انتخاب میں نائب ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز کیا تھا۔آپ امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور کہیں نہ کہیں خطبہ جمعہ بھی ضرور دیا کرتے تھے۔آپ بطور خطیب وواعظ، بے مثال خوبیوں کے مالک تھے۔ان کے محاسن وکمالات کا احاطہ کرنا اس مختصر سے اداریے میں ممکن نہیں۔ان کا سب سے نمایاں اور قابل ذکر وصف بلتی زبان میں خطابت کا وہ گُر تھا' جس نے گردونواح کے گاؤں اور قصبوں میں قدردانوں اور عقیدت مندوں کا بڑا حلقہ تیار کیا۔

جلسے میں ان کی شرکت کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی۔لوگ دوردور سے ان کی بصیرت افروز تقریروں کو سننے کے لئے آیا کرتے۔تاریخی واقعات اور ایمانی حرارت سے پُر ان کے مواعظ نے اصلاح معاشرہ کا کام انجام دیا اور بہت سے لوگ شرک وبدعات سے تائب ہوکر عامل سنت وپاسبان شریعت بن گئے۔ان کے دلنشین بیان اور طرز استدلال کے سحر میں سبھی گرفتار تھے۔اللہ تعالیٰ نے قدرت گویائی وخوش الحانی جیسی نعمتوں سے خوب نوازا تھا۔احوال قیامت،وعذاب الٰہی اور حشر ونشر وغیرہ موضوعات پر آپ کے خطاب سے سامعین پر رقت طاری ہوجاتی اور ایمان افروز مناظر سامنے آتے تھے۔پاکستان سے جب کوئی مہمان تشریف لاتا تو ان کا تعارف کرتے ہوئے ''شیخوپورِی بلتستان'' کہا جاتا۔اس نعمت کو انہوں نے شہرت طلبی اور نام ونمود کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا، بلکہ دعوت وتبلیغ ،اصلاح عقائد اور امر بالمعروف ،نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کا وسیلہ سمجھا۔وہ صحیح معنوں میں نمونہ سلف اور بقیۃ الخلف تھے۔ہمارے پیشرو اسلافؒ جو روشن مثال چھوڑ گئے ہیں اور نشان منزل کی رہنمائی کر گئے ہیں۔ہم انہی کے نقش پا کو ڈھونڈتے ہوئے دعوتی سفر کی سمت متعین کر سکتے ہیں۔

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

ہمارے ممدوح علیہ الرحمۃ نے پسماندگان میں ایک بیوہ، تین بیٹے، پانچ بیٹیاں اور ایک بھائی چھوڑا ہے۔